(۲۶)

(فرمودہ ۱۱؍ فروری ۱۹۳۸ء بمقام عیدگاہ قادیان)

چونکہ اسی ہفتہ میں لاہور کے کالجوں کے احمدی طالب علموں* کے آنے کی وجہ سے مجھے گلے کی تکلیف کے باوجود ایک لمبی تقریر کرنی پڑی تھی اس لئے اس دن سے میرا گلا بہت ہی بیٹھا ہوا ہے اور جلسہ سالانہ کے بعد کی گلے کی تکلیف میں جو کمی ہوئی تھی اس میں پھر اضافہ ہوگیا ہے۔ اس وجہ سے شاید مَیں اپنی آواز دوسروں تک اچھی طرح نہ پہنچا سکوں یا شاید ایک حصّہ تک بالکل ہی نہ پہنچا سکوں اور پھر آج تو دو خطبوں کا دن ہے یعنی عید اور جمعہ دونوں جمع ہوگئے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جب جمعہ اور عید جمع ہوجائیں تو اجازت ہے کہ جو لوگ چاہیں جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کرلیں۔ مگر فرمایا۔ ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے۔[1] کل بھی میرے پاس ایک مفتی صاحب کا فتویٰ آیا تھا کہ بعض دوست کہتے ہیں اگر جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ہوجائے تو قربانیوں میں ہم کو سہولت ہوجائے گی اور انہوں نے اس قسم کی حدیثیں لکھ کر ساتھ ہی بھجوادی تھیں۔ مَیں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ اس میں کوئی شُبہ نہیں، جمعہ اور عید جب جمع ہوجائیں تو جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ مگر ہم تو وہی کریں گے جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تھا اگر کوئی جمعہ کی بجائے ظہر پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے مگر ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے۔ مَیں نے انہیں کہا۔ مَیں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو شخص چاہے آج جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لے۔ مگر جو ظہر پڑھنا چاہتا ہے وہ مجھے کیوں مجبور کرتا ہے کہ مَیں بھی جمعہ نہ پڑھوں۔ مَیں تو وہی کہوں گا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ہم جمعہ ہی پڑھیں گے۔

ایک دفعہ ہمارے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم نے کہیں حدیث میں دیکھا کہ گوہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دسترخوان پر کھائی گئی تھی۔[2] چونکہ وہ احمدیت سے پہلے اہلِ حدیث میں شامل تھے اس لئے ان کے دل میں یہ جوش رہتا تھا کہ ہر حدیث پر عمل کیا جائے

---

*: احمدیہ انٹرکالجئیٹ ایسوسی ایشن لاہور کے ۷۰ طلباء کے علاوہ بعض غیر احمدی طلباء بھی تھے جن سے حضور رضی اللہ عنہ نے جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل میں دعوتِ چائے کے موقعہ پر تین گھنٹے تک خطاب فرمایا تھا۔

چنانچہ انہوں نے لوگوں پر زور دینا شروع کر دیا کہ گوہ کھانی چاہیئے۔ اور انہوں نے اس پر اتنا زور دیا کہ اچھی خاصی تبلیغ ہو گئی۔ مجھے بھی ایک دفعہ انہوں نے پندرہ بیس منٹ تک خوب تبلیغ کی اور پھر ہماری نانی جان صاحبہ مرحومہ سے گھر میں گوہ پکوائی تو مجھے بھی کہا کہ کھاؤ۔ مَیں نے اس وقت ان کے اصرار پر ارادہ کیا کہ گوہ کا گوشت کھا کر دیکھوں، مگر اسے دیکھکر مجھے سخت کراہت آئی اور مَیں واپس لوٹ آیا۔ ان دنوں کچھ دن تک وہ حدیث کی کتاب نانا صاحب مرحوم اپنے ساتھ رکھتے تھے اور جو بھی ملتا اسے دکھاتے اور پھر پوچھتے کہ جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر یہ کھائی گئی ہے تو تم کیوں نہیں کھاتے۔ ایک دفعہ انہوں نے مجھے وہ حدیث کی کتاب دی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کے پاس بھیجا اور کہا کہ جب اس حدیث سے ثابت ہے کہ گوہ کا گوشت کھانا جائز ہے۔ تو آپ کو اس کے کھانے پر کوئی اعتراض تو نہیں یہ وہی حدیث تھی جس کے ایک حصہ میں یہ آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے جب وہ پیش کی گئی تو آپؐ نے فرمایا ہمارے ملک میں چونکہ اس کے کھانے کا رواج نہیں اس لئے مَیں نہیں کھاتا اگر اور کوئی کھانا چاہے تو بے شک کھالے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس جب مَیں یہ حدیث لے کر گیا اور میر صاحب کی بات کا آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ مَیں اس حصے پر عمل کرتا ہوں میر صاحب دوسرے حصہ پر عمل کر لیں۔ یہی میں نے بھی انہیں جواب دیا۔ کہ مَیں اس حصہ پر عمل کرتا ہوں جس میں آتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ہم جمعہ ہی پڑھیں گے اور اگر کوئی دوسرے حصہ پر عمل کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ اس حصہ پر عمل کر لے۔ مگر وہ مجھے کیوں مجبور کرنا چاہتا ہے۔ کہ مَیں بھی اس دوسرے حصہ پر عمل کر دوں۔ تو آج دو عیدیں جمع ہیں۔ ہمارے ملک کی ایک پنجابی مثل ہے کہ "دوّ دوّ تے چوپڑیاں" چونکہ خدا تعالےٰ کی ذات کا بندہ قیاس بھی نہیں کر سکتا اور وہ اپنے بخل کو دوسرے کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ اس لئے ہمارے ملک میں یہ مثل ہے کہ دوّ دوّ نے چوپڑیاں یعنی ایک تو دو دو روٹیوں کی خواہش رکھنا اور پھر یہ بھی کہنا کہ ان پر گھی بھی لگا ہوا ہو۔ حالانکہ گھی والی تو ایک روٹی ہی کافی ہوا کرتی ہے۔ مگر دیکھو ہمارا رب کیسا سخی ہے کہ اس نے ہمیں دوّ دوّ دیں اور پھر چپڑی ہوئی دیں۔ یعنی جمعہ بھی آیا اور عید الاضحیہ بھی آئی اور اس طرح دو عیدیں خدا تعالےٰ نے ہمارے لئے جمع کر دیں۔ اب جس کو دو دو چپڑی ہوئی چپاتیاں ملیں وہ ایک کو رد کیوں کرے گا، وہ تو دونوں لے گا سوائے اس کے کہ اسے کوئی خاص مجبوری پیش آجائے۔ اور اسی لئے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دی ہے۔ کہ اگر کوئی مجبور ہو کر ظہر کی نماز پڑھ لے جمعہ نہ پڑھے تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ اس پر طعن کرے اور اگر بعض لوگ ایسے ہوں جنہیں

دونوں نمازیں ادا کرنے کی توفیق ہو تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ ان پر اعتراض کرے اور کہے کہ انہوں نے رخصت سے فائدہ نہ اٹھایا۔[۳]

پس اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج ہمارے لئے دو عیدیں جمع ہیں جن میں سے پہلی عید تو ہم پڑھ چکے ہیں اور اس کا تتمہ خطبہ کے ذریعہ ادا کر رہے ہیں۔

یہ عید ایک ایسی قربانی کی یادگار ہے جس نے ہم کو دو نہایت اعلیٰ درجہ کے سبق دیئے ہیں۔ اَور بھی سبق دیئے ہیں مگر اس وقت میرے مضمون سے چونکہ ان دو سبقوں کا ہی تعلق ہے اس لئے میرے مضمون کے لحاظ سے اس عید نے ہمیں دو اعلیٰ درجہ کے سبق دیئے ہیں۔ ایک تو یہ سبق دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بندہ کو قربانی کرنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لینا چاہیئے۔ اور دوسرا سبق یہ دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے راستہ میں سچی قربانی کرنے والا کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قربانی پیش کرنے کی جرأت اور اس میں فراخ حوصلگی کی مثال تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہے کہ بڑھاپے کی عمر میں جبکہ آپ نوّے سال کے ہو چکے تھے آپ کو ایک بچّہ ملتا ہے۔ یہ نہیں کہ آپ کو اس بچہ کی خواہش نہ تھی۔ اس لئے کہ آپ نے کئی شادیاں محض نرینہ اولاد کے حصول کے لیے کیں۔ چنانچہ دو تو حُر عورتوں سے شادی کی[۴] جن میں سے ایک حضرت سارہؓ اور ایک حضرت ہاجرہؓ تھیں۔ ان کے علاوہ بعض لونڈیوں سے بھی آپ نے شادی کی[۵]۔ اور اس نیت اور اس ارادہ سے کی کہ کوئی بچہ پیدا ہو۔ مَیں نے حضرت ہاجرہ کے متعلق کہا ہے کہ وہ حُر تھیں اور یہ عیسوی تاریخ اور بائیبل کے خلاف ہے۔ عیسائی تاریخ انہیں آزاد قرار نہیں دیتی بلکہ کہتی ہے کہ وہ لونڈی تھیں[۶]۔ لیکن خود بائبل کے ہی بعض واقعات اسے غلط قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ بائیبل نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کا جو مقام تجویز کیا ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری اولاد کو شامل نہیں کیا۔ اگر حضرت ہاجرہ لونڈی ہوتیں تو بائبل ان کی اولاد سے وہی سلوک کیوں نہ کرتی جو اس نے دوسری بیویوں کی اولاد سے کیا۔ درحقیقت عیسائی مورخین کو حضرت ہاجرہ سے بُغض تھا اور اس بُغض کی وجہ سے انہوں نے آپ کو لونڈی قرار دے دیا۔ اور چونکہ جھوٹے الزام ہمیشہ الزام لگانے والوں پر لوٹ پڑا کرتے ہیں اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے تو حضرت ہاجرہ پر یہ الزام لگایا کہ وہ مصر کی لونڈی تھیں اور خدا تعالیٰ نے اس کی پاداش میں اس قوم کو کئی سو سال تک حضرت ہاجرہ کی قوم کا غلام بنا دیا چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت ان کی حالت بالکل غلاموں کی طرح تھی اور وہ حضرت ہاجرہ کی قوم کے ماتحت تھے۔ تو حضرت ہاجرہ اور حضرت سارہ دو بیویاں آزادوں میں سے تھیں اور حضرت ہاجرہ تو شہزادی تھیں[۹]۔ چنانچہ مصر کے شاہی خاندان کے افراد نے اس وجہ سے کہ انہوں نے حضرت

ابراہیم علیہ السلام کی نیکی اور بعض نشانات دیکھے اپنی لڑکی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بیاہ دی تھی۔ لیکن پرانے زمانہ میں قاعدہ تھا اور اب بھی ہندوؤں میں ہے کہ وہ پہلی بیوی کو اصلی بیوی قرار دیتے ہیں اور دوسری بیویوں کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ اس کے ماتحت ہیں[۱]۔ چنانچہ مسلمانوں میں اور ہندوؤں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مسلمان تمام بیویوں کو یکساں قرار دیتے ہیں۔ مگر ہندو لوگ صرف پہلی بیوی کو بیوی سمجھتے ہیں اور دوسری بیویوں کو اس کا ماتحت قرار دیتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی جہاں ہندووانہ رسوم کا اثر ہے جب کسی شخص کی دو بیویاں ہوں تو اس کے عزیز پہلی بیوی کے متعلق تو یہ کہتے ہیں کہ یہ بیاہی ہے اور دوسری بیوی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ نکاحی ہے[۱]۔ حالانکہ جو بیاہی ہوئی ہوتی ہے وہ نکاحی بھی ہوتی ہے۔ اور جسے نکاحی کہتے ہیں وہ بھی بیاہی ہوتی ہے۔ مگر وہ ان الفاظ سے دونوں میں فرق کرتے اور یہ بتلاتے ہیں کہ ایک ان میں سے اصل بیوی ہے۔ اور دوسری بعد کی بیوی ہے۔ مگر اسلام نے اس امتیاز کو بالکل مٹا دیا اور سب بیویوں کا حق برابر تسلیم کیا ہے[۱]۔ لیکن پہلے زمانہ میں بڑی بیوی کو فوقیت دی جاتی تھی یعنی گھر کی مالکہ صرف وہی سمجھی جاتی تھی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے باوجود بڑی خواہش، بڑے ارادوں اور بڑے چاؤ کے ساتھ شادی کرنے کے بچہ پیدا ہونے کے بعد جب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں اس کو اس کی راہ میں قربان کردوں تو وہ فوراً اس کو قربان کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے رؤیا دیکھا تھا کہ میں اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہا ہوں۔ وہ یہ رؤیا دیکھتے ہی اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ میں اسمٰعیلؑ کو ذبح کر دوں۔ حالانکہ ذبح کرنے سے مراد اسمٰعیلؑ کو چھری سے ذبح کرنا نہیں تھا بلکہ اس کا مطلب یہ تھا کہ اسے مکّہ کی بے آب وگیاہ وادی میں جا کر چھوڑ آؤ۔ یہی ان کے خواب کی تعبیر تھی اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے ان کو بتائی تھی مگر چونکہ تعبیر اپنے وقت پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔ اس لئے ان کا ذہن اس وقت اس طرف نہیں گیا کہ اللہ تعالیٰ اس خواب کے ذریعہ مجھے یہ بتا رہا ہے۔ کہ ایک دن تم اپنے اکلوتے بیٹے سے وہ معاملہ کرو گے۔ جو ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ اور ہمارے حکم کے ماتحت تمہیں اسے ایک ایسے علاقہ میں چھوڑ کر آنا پڑے گا جہاں میلوں میل تک نہ کھانے کا کوئی سامان ہو گا نہ پینے کا۔ انہوں نے اس خواب کو ظاہری رنگ میں پورا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کو گرایا اور چاہا کہ اسے ذبح کر کے اللہ تعالیٰ کے منشاء کو پورا کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں الہاماً فرمایا کہ جانے دو، تم نے تو ظاہری شکل میں بھی خواب پوری کر دی۔ لیکن انسان دوسرے کی باتوں کو سُن کر ان جذبات اور احساسات کا قیاس نہیں کر سکتا جو دوسرے کے دل میں پیدا ہو رہے ہوتے ہیں۔ اگر کسی کی اپنی مُرغی بھی مَر جائے۔ تو اُسے جتنا درد ہوتا ہے اتنا درد اسے دوسرے

کے بیٹے کی وفات کی خبر سُنکر نہیں ہوتا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ دوسرے کے غم کی نقل کرکے اس سے ہمدردی کرتے ہیں۔ ان کے دل میں کوئی رنج نہیں ہوتا۔ اگر وہ سامنے آجائیگا تو رونے والی شکل بنالیں گے اور ہمدردی کے چند الفاظ اپنے منہ سے نکال دیں گے لیکن ان کے دل غم کے جذبات سے بالکل خالی ہوں گے۔ اس کے مقابلہ میں اگر ان کی اپنی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ضائع ہوجائے تو وہ اس کے صدمہ کو برداشت نہیں کرسکتے۔ ہمارے ملک میں ایک قصہ مشہور ہے کہ کوئی چوڑھی تھی جو بادشاہ کے گھر میں صفائی کیا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جب وہ شاہی محل سے باہر نکلی تو ڈیوڑھی کے اندر کھڑے ہوکر اس کی دیوار سے سر لگا کر اس نے رونا شروع کردیا اور اس درد اور کرب کے ساتھ روئی کہ باہر جو دربان کھڑے تھے انہوں نے سمجھا کہ شاہی خاندان میں کوئی موت واقع ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس خیال پر انہوں نے بھی بغیر سوچے سمجھے رونا شروع کردیا۔ اور دیوار سے لگ کر جھوٹی ہچکیاں لینی شروع کردیں تا ایسا نہ ہو کہ ان کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ وہ نمک حرام ہیں۔ ان کو روتے دیکھکر اوروں نے بھی رونا شروع کردیا۔ پھر اوروں نے یہاں تک کہ درباریوں تک یہ بات پہنچ گئی۔ چونکہ درباریوں کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جب شاہی خاندان میں کوئی موت واقع ہو تو سیاہ لباس پہنکر آؤ، اس لئے وہ دوڑ دوڑ کر اپنے گھر گئے اور ہر ایک کالا لباس پہنکر دربار میں سر نیچے جھکا کر بیٹھ گیا اور آنکھوں کے آگے رومال رکھ لیا تا یہ معلوم ہو کہ وہ رو رہا ہے۔ مگر جو سب سے بڑا وزیر تھا وہ کچھ سمجھدار تھا وہ بغیر سیاہ لباس پہنے دربار میں آبیٹھا اور اس نے پاس والے سے پوچھا کہ کیا حادثہ ہُوا ہے۔ اس نے کہا مجھے تو پتہ نہیں ساتھ والے کو پتہ ہوگا۔ مَیں نے اسے ماتمی لباس میں بیٹھا دیکھا تھا۔ مَیں بھی پہنکر آگیا کہ شاید شاہی خاندان میں کوئی حادثہ ہُوا ہے۔ اس سے پوچھا گیا تو اس نے آگے سے اپنے پاس والے کا حوالہ دیا اور اس نے تیسرے کا اور اس نے چوتھے کا۔ آخر دربانوں تک بات پہنچی اور انہوں نے چوڑھی کا حوالہ دیا۔ جب اسے بُلا کر پوچھا گیا۔ تو اس نے بتایا کہ اللہ رکھے قلعہ میں تو ہر طرح خیریت ہے۔ بات یہ ہے کہ مَیں نے ایک سؤر کا بچہ پال رکھا تھا۔ آج صبح وہ مرگیا صفائی کا وقت قریب تھا اس لئے مَیں جلدی سے محلات میں آگئی اور جذبات کو دبائے رکھا۔ لیکن جب محل سے باہر آئی تو مجھ سے برداشت نہ ہوسکا اور ڈیوڑھی میں مجھے رونا آگیا۔

اب وہ جذبات جو اس چوڑھی کے دل میں دبے ہوئے تھے وہ چونکہ انہیں نکال نہیں سکی تھی اس لئے جب تک وہ صفائی میں مشغول رہی جذبات دبے رہے۔ مگر جب اس کا کام ختم ہوگیا اور اس کے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے تو اس نے بے تاب ہوکر رونا شروع کردیا۔ اور باقیوں نے اس کی بے تابی کو دیکھکر یہ قیاس کیا کہ اس قدر غم کسی بڑے حادثہ پر ہی ہوسکتا ہے اور

اس کی نقل میں رونی شکل بنا کر چیخنا شروع کر دیا۔ اور انہوں نے سمجھا کہ شاید بادشاہ یا اس کی بیگم مر گئی ہے۔ مگر بہرحال ان کا رونا مصنوعی رونا تھا اور اس چوڑھی کا رونا حقیقی رونا تھا۔ کیونکہ سٔور نی کا بچہ چوہڑی کا اپنا تھا اور اس کے مرنے پر اس نے حقیقی درد محسوس کیا۔ مگر درباری اور درباری گو بادشاہ یا اس کی ملکہ یا کسی شہزادہ کو رو رہے تھے مگر ان کا رونا مصنوعی تھا کیونکہ بادشاہ یا ملکہ سے ان کا حقیقی تعلق نہ تھا۔ تو اپنی قلیل سے قلیل تکلیف بھی بڑی معلوم ہوتی ہے اور دوسرے کی بڑی سے بڑی تکلیف بھی چھوٹی معلوم ہوتی ہے۔

ہمارے یہاں کی ایک مثال ہے۔ غالبًا اب بھی وہ دوست یہاں بیٹھے ہوں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ پرانے صحابی ہیں۔ ایک دفعہ یہاں کسی قسم کا جھگڑا ہو گیا اور احمدیوں نے شکایت کی کہ بعض ہندوؤں نے ان پر آوازے کسے ہیں اور فساد کرانا چاہا ہے۔ مَیں نے اس کی تحقیق کرانی چاہی کہ آیا واقعہ میں ایسا ہؤا ہے یا نہیں۔ تا اگر یہ بات درست ثابت ہو تو ان ہندوؤں کو سمجھا دیا جائے یا اپنے دوستوں کو سمجھایا جائے۔ اس وقت تک ابھی ہندوؤں سے ہمارے تعلقات اچھے تھے۔ اور میری غرض اس تحقیق سے یہ تھی کہ جس کا قصور ثابت ہو اسے سمجھایا جائے۔ چونکہ کسی دوست سے معلوم ہؤا کہ وہ اس موقعہ پر موجود تھے اور وہ واقعہ کے عینی گواہ ہیں۔ مَیں نے انہیں بُلایا اور کہا کہ اس قسم کا واقعہ کیا آپ کے سامنے ہؤا ہے۔ انہوں نے سمجھا شاید مَیں اس واقعہ کو سُنکر بہت گھبرا گیا ہوں اور ہندوؤں کے دو تین نعروں نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ کہنے لگے، ان باتوں کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے ہمارے ساتھ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں اس سے بڑے بڑے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ مَیں نے ان کی یہ بات سُن کر ان سے پوچھا کہ سُنائیے۔ کیا کیا واقعات آپ سے گذرے ہیں۔ اس پر انہوں نے مرزا نظام الدین صاحب کا جو ہمارے چچا تھے ایک واقعہ بیان کیا۔ مرزا نظام الدین صاحب چونکہ سلسلہ کے مخالف تھے اس لئے وہ اپنے جدّی حقوق کی حفاظت کے خیال سے احمدیوں سے بعض دفعہ معمولی معمولی باتوں پر لڑ جھگڑ لیتے تھے۔ مثلاً یہی کہ فلاں جگہ سے مٹی نہیں لینے دینی، فلاں جگہ چار پائیاں نہیں بچھانے دینی۔ خیر تو ان دوست نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک دفعہ ہم کسی احمدی کے مکان کے لئے یا سلسلہ کے کسی مکان کے لئے تالاب سے مٹی کھود رہے تھے۔ گدھے کھڑے تھے اور ان پر مٹی لادی جا رہی تھی کہ ہم نے دیکھا مرزا نظام الدین صاحب چلے آ رہے ہیں اور انہوں نے آتے ہی غصّہ سے کہا کہ کون ہے جو یہاں سے مٹی اٹھا رہا ہے۔ بس ان کا یہ کہنا تھا کہ باقی تو سب بھاگ گئے مگر مَیں کھڑا رہا۔ اور مَیں نے اپنا نام لے کر کہا کہ اے فلاں شخص آج تیرے ایمان کی آزمائش کا وقت آ گیا۔ چنانچہ مَیں ایک دیوار

کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور مَیں نے خدا تعالےٰ سے کہا۔ اے خدا وہ جو تیرے رسول پر غارِ حرا میں وقت آیا تھا بس وہی وقت آج مجھ پر آگیا ہے۔ اب تُو اسی طرح میری مدد کر جس طرح اس دن ہمارے رسولؐ کی مدد کی تھی۔ اب کجا غارِ حرا کا واقعہ اور کجا یہ واقعہ۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ یہی کرنا تھا کہ کدالیں چھین لینی تھیں۔ اور مٹی کھودنے سے روک دینا تھا۔ بھلا اس کا غارِ حراء کے واقعہ سے کیا تعلق۔ جہاں اسلام اور جماعت اسلام کی موت کا سوال تھا لوگ لہو لگا کر شہیدوں میں ملنا کتے ہیں۔ مگر یہاں تو اتنی بات بھی نہیں تھی۔ مگر اس بیچارے نے اپنے دل گُردہ کے مطابق اسے ہی غارِ حراء کا واقعہ سمجھا اور خدا تعالےٰ سے دعا کرنی شروع کر دی۔ کہ اے خدا! آج پھر وہی وقت آگیا ہے۔ جو تیرے رسول پر غارِ حرا میں آیا تھا۔ غرض یہ واقعہ سُنا کر وہ دوست کہنے لگے کہ بس جی اللہ تعالےٰ نے دعا سُن لی۔ اور وہی معجزہ غارِ حراء والا دکھا دیا (دراصل یہ تو واقعہ غارِ ثور کا ہے لیکن عوام میں غارِ حراء کے واقعہ سے مشہور ہے۔ اس لئے اس دوست نے اپنے علم کی بناء پر اسے غارِ حراء کا واقعہ ہی کہہ دیا) اور مرزا صاحب واپس چلے گئے اور مجھے کچھ نہ کہا۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر تصرف کیا اور انہیں میں نظر ہی نہیں آیا۔

اب دیکھو اپنی کتنی چھوٹی سی تکلیف رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غارِ ثور والے واقعہ کے برابر نظر آنے لگی۔ حالانکہ ان قربانیوں کے مقابلہ میں جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیں اس بیچارے کی قربانی تو الگ رہی ہم میں سے جسے سب سے زیادہ قربانیاں کرنے کا موقعہ ملا ہے اس کی قربانیاں بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتیں۔ لیکن چونکہ اپنی تکلیف ہمیشہ بڑی معلوم ہوتی ہے اس لئے انہوں نے اپنی ایک معمولی سی تکلیف کو اتنی بڑی اہمیت دیدی۔ تو انسان اپنی چھوٹی سی تکلیف کو بھی بہت بڑا محسوس کرتا ہے اور دوسرے کی بہت بڑی تکلیف کو بھی معمولی خیال کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ دل میں عشق ہو اور محبت کے جذبات دل میں کام کر رہے ہوں۔ کیونکہ جہاں عشق ہو وہاں انسان اپنی تکلیف کو معمولی خیال کرتا مگر اپنے محبوب کی ایک معمولی بلکہ خیالی تکلیف کو بھی بہت بڑی تکلیف محسوس کرتا ہے۔

مجھے ہمیشہ حیرت ہُوا کرتی ہے اور مَیں اپنے دل میں کہا کرتا ہوں کہ الٰہی تیری بھی عجیب قدرت ہے کہ تُو نے کس طرح لوگوں کے دلوں میں میری نسبت محبت کے جذبات پیدا کر دیئے کہ جب کبھی سفر میں باہر جانے کا موقعہ ملے اور میں گھوڑے پر سوار ہوں تو ایک نہ ایک نوجوان حفاظت اور خدمت کے خیال سے میرے گھوڑے کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا چلا جاتا ہے۔ اور جب میں گھوڑے سے اترتا ہوں تو وہ فوراً آگے بڑھ کر میرے پاؤں دبانے لگ جاتا ہے اور کہتا ہے حضور تھک گئے ہوں گے۔ مَیں خیال کیا کرتا ہوں کہ مَیں تو گھوڑے پر سوار آیا اور یہ گھوڑے کے ساتھ پیدل چلتا آیا

مگر اس محبت کی وجہ سے جو اسے میرے ساتھ ہے اس کو یہ خیال ہی نہیں آتا کہ یہ تو گھوڑے پر سوار تھے یہ کس طرح تھکے ہوں گے۔ وہ یہی سمجھتا ہے کہ گویا گھوڑے پر وہ سوار تھا اور پیدل میں چلتا آیا چنانچہ میرے اصرار کرنے کے باوجود کہ میں نہیں تھکا میں تو گھوڑے پر آرہا ہوں وہ یہی کہتا چلا جاتا ہے۔ کہ نہیں حضور تھک گئے ہوں گے مجھے خدمت کا موقعہ دیا جائے اور پاؤں دبانے لگ جاتا ہے تو جہاں محبت ہو وہاں اپنی تکلیف انسان کو کم نظر آتی ہے اور اپنے محبوب کی تکلیف بہت زیادہ دکھاتی دیتی ہے۔ لیکن عام حالات میں اپنی تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے اور دوسرے کی تکلیف کم محسوس ہوتی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ایک صحابی تھے ان کو فریب سے کفار نے گرفتار کر لیا اور چونکہ ان کے ہاتھ سے مکہ والوں کا کوئی عزیز مارا گیا تھا اس لئے گرفتار کر کے انہیں مکہ والوں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے چاہا کہ اپنے اس عزیز کے بدلے اس صحابی کو تکلیفیں دے دے کر ماردیں۔ چند دن انہیں قید میں رکھا اور جب ایک دن انہوں نے چاہا کہ آپ کو شہید کر دیں اور قتل کی تیاری کرنے لگے تو اس وقت انہوں نے یہ سمجھ کر کہ یہ بہت ڈرا ہوا ہو گا۔ اس صحابی سے پوچھا کہ کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ اس وقت محمد (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) تمہاری جگہ ہوتے اور تم آرام سے مدینہ میں اپنے بیوی بچوں میں بیٹھے ہوئے ہوتے۔ انہوں نے کہا تم تو یہ کہتے ہو کہ کیا تمہیں یہ پسند ہے کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم یہاں ہوں اور میں مدینہ میں اپنی بیوی بچوں میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوں لیکن مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوں اور محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو مدینہ کی گلیوں میں چلتے ہوئے کوئی کانٹا بھی چبھ جائے۔ اب دیکھو اس صحابی کو اپنی تکلیف اس وقت یاد نہ رہی بلکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی محبت اور آپؐ کے عشق میں مدہوش ہونے کی وجہ سے آپؐ کی ایک خیالی تکلیف نے اسے بے چین کر دیا۔

اسی طرح اَور ہزاروں واقعات صحابہ کی زندگی میں ملتے ہیں مثلاً میں نے کئی دفعہ سُنایا ہے کہ اُحد کی جنگ میں ایک صحابی سخت زخمی ہوئے یہاں تک کہ ان کی موت کا وقت بالکل قریب آگیا اتفاقاً ایک صحابی جو زخمیوں کی دیکھ بھال میں مشغول تھے ان کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ گھر میں کوئی پیغام دینا ہے تو مجھے دیدو۔ تم خود ہی سوچو ایسی تکلیف کی گھڑی میں لوگ کس طرح کراہتے اور چیختے چلاتے ہیں ہائے میں مرگیا۔ ہائے کوئی دوائی دینے والا بھی نہیں۔ یہی الفاظ ہوتے ہیں جو اُن کے منہ سے نکل رہے ہوتے ہیں۔ مگر وہاں نہ مرہم پٹی کا کوئی سامان ہے نہ ڈاکٹر ہیں نہ دوائیاں ہیں نہ سٹریچر ہیں۔ نہ ہسپتال ہیں نہ پچکاریاں ہیں نہ مشک اور عنبر ہیں۔ پتھریلی زمین میں پڑا ہوا ایک انسان خاک و خون میں تڑپ رہا ہے وہ جانتا ہے کہ میں عنقریب مرنے والا ہوں اس کی تکلیف اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔

جس کی شدت کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک تندرست انسان بھی مٹی پر لیٹے تو اسے نیچے سے کنکر وغیرہ چبھتے ہیں مگر وہ زخمی تھا اور سر سے لے کر پیر تک زخمی تھا اور اس زمین میں تڑپ رہا تھا جو پتھریلی تھی اور جس پر جا بجا کنکر اور پتھر پڑے ہوئے تھے اس کا جسم اس وقت ٹکڑے ٹکڑے تھا اور اس کی روح عنقریب اپنے جسم خاکی سے پرواز کرنے والی تھی کہ ایسی نازک حالت میں ایک صحابی آتا ہے اور اس سے پوچھتا ہے۔ بھائی! کوئی حاجت ہے تو بتادو۔ وہ اپنے ہاتھ آگے بڑھاتا اور اس سے مصافحہ کرتا ہے اور کہتا ہے۔ میں دل میں یہی خواہش کر رہا تھا کہ کاش! اس وقت کوئی مسلمان ملے جو میرا ایک پیغام میرے رشتہ داروں تک پہنچا دے۔ سو خدا کا شکر کہ تم آگئے۔ لو سنو! میرا یہ پیغام میرے عزیزوں تک پہنچا دینا کہ اے میرے عزیزو! محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم خدا تعالےٰ کی ایک بہترین امانت ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم نے اس امانت کو سنبھال کر رکھنے کی کوشش کی۔ اب ہم چلے ہیں اور وہ امانت تمہارے سپرد ہو رہی ہے میں امید کرتا ہوں کہ تم اپنی جانیں قربان کر کے بھی اس امانت کی حفاظت کروگے اور یہ کہہ کر ان کی جان نکل گئی۔[۱۴]

اب دیکھو سخت کنکریلی اور پتھریلی زمین پر ایک زخمی انسان پڑا ہے۔ وہ سر سے لیکر پیر تک زخمی ہے۔ وہ انتہائی تکلیف میں مبتلا ہے وہ موت کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اس کا تمام خون اس کے جسم سے نکل چکا ہے۔ مگر ایسی حالت میں بھی اُسے اپنی تکلیف کا خیال نہیں آتا۔ اگر آتا ہے تو یہی کہ محمد صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم جو مدینہ میں اپنے دوستوں اور خیرخواہوں میں جا رہے ہیں ان کی حفاظت اور اطاعت میں کوئی کمی نہ ہو۔ تو عشق اور محبت میں انسان اپنی تکلیف کو بھی معمولی سمجھتا اور اپنے محبوب کی خیالی تکلیف کو بھی بہت بڑا سمجھتا ہے مگر جہاں عشق نہ ہو۔ وہاں انسان دوسرے کی بڑی سے بڑی تکلیف بھی محسوس نہیں کرتا۔ اسی لئے بہت سے لوگ دنیا میں ایسے ہیں جب وہ سنتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اکلوتے بیٹے کی گردن پر چھری رکھدی۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی بیوی اور اپنے اکلوتے بیٹے کو ایک بے آب وگیاہ جنگل میں خدا تعالیٰ کے حکم کے ماتحت چھوڑ دیا تو ان کے دلوں میں کوئی احساس پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں کیا ہوا؟ اگر حضرت ابراہیمؑ نے یہ قربانی کردی۔ وہ سمجھتے ہیں بے شک ابراہیمؑ ایک اچھا آدمی تھا اور اس نے نیکی کا ثبوت دیا۔ مگر ان کے جذبات کو اتنی بھی ٹھیس نہیں لگتی جتنی ٹھیس انہیں اس وقت لگتی ہے جب وہ اپنی مرغی کسی کے لئے ذبح کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ ان کی اپنی چیز ہوتی ہے اور ان کے جذبات اور احساسات اس وقت اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ ہم کہیں سیر کے لئے گئے اور رستہ میں ایک جگہ ٹھہرے۔ وہاں ایک

غیر احمدی ٹھیکیدار تھے ان کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق تو نہ تھا مگر چونکہ ہمارے ملک میں یہ طریق ہے کہ خواہ کسی سے کوئی تعلق نہ ہو مہمان نوازی کے طور پر کھانے کے متعلق پوچھ لیتے ہیں۔ اس لئے وہ ٹھیکیدار ہمارے پیچھے پڑ گیا اور کہنے لگا۔ مَیں آج آپ کی دعوت کروں گا۔ مفتی فضل الرحمن صاحبؓ اور شیخ یعقوب علی صاحبؓ ساتھ تھے مَیں نے انہیں کہا کہ ہمارے پاس کافی کھانا موجود ہے' اس کی دعوت قبول نہ کریں۔ کیونکہ جب ہمارا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو ہمیں کھانا کھلانا اس پر گراں گذرے گا اور مجھ پر ان کا کھانا کھانا گراں گذرے گا۔ انہوں نے کہا نہیں یہ ہمارا واقف ہے اور جب یہ اس قدر اصرار کرتا ہے تو اس کی دعوت کو قبول کر لینا چاہیئے۔ مَیں اپنے ملکی اخلاق کو دیکھتے ہوئے جانتا تھا کہ جس کے ساتھ تعلق نہ ہو اس پر کسی کی دعوت کرنا گراں ہی گذرتا ہے مگر جب انہوں نے اصرار کیا تو مَیں نے کہا اچھا منظور کر لو۔ اس کے بعد اس نے چاہا کہ وہ ہمارے لئے مرغی ذبح کرے چنانچہ اس نے مرغی پکڑنے کے لئے ہاتھ جو مارا تو مرغی ذرا آگے نکل گئی۔ اُس نے آگے ہو کر پھر دوبارہ اس پر ہاتھ مارا تو وہ پھر ذرا آگے ہو گئی اس پر وہ کہنے لگا "ککڑی تے پھڑی نہیں جاندی چلو دال ہی پکا لو"۔ ہم نے اسے کہا۔ آپ خواہ مخواہ کیوں تکلیف کرتے ہیں ہمارے پاس کھانا موجود ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہم نے اپنا پکا ہوا کھانا ہی کھایا بلکہ اسے بھی ساتھ بٹھا لیا اور چونکہ کھانا بچ رہا تھا۔ مَیں نے دوستوں سے کہا کہ یہ کھانا بھی ان کو ہی دے دو۔ ہمارے لئے خدا تعالیٰ آگے اور انتظام کر دے گا۔ اب وہ شخص ایک طرف اپنی مہمان نوازی جتانا چاہتا تھا۔ اور دوسری طرف چونکہ اس کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا اس لئے ایک مرغی کا ذبح کرنا بھی اس پر گراں گذر رہا تھا۔ غرض بغیر تعلق کے اپنی مرغی کی قربانی بھی بڑی نظر آتی ہے لیکن دوسرے کا اکلوتا بیٹا بھی اگر مر جائے تو اس کا کوئی احساس نہیں ہوتا۔

بے شک وہ لوگ جنہیں حضرت ابراہیمؑ سے اُنس نہیں جنہیں یہ احساس نہیں کہ حضرت ابراہیمؑ وہ شخص تھا جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دادا لگتا تھا۔ اور وہ نبی ہوتا یا نہ ہوتا، پھر بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق کی وجہ سے ہم اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتے، وہ اس قربانی کی قدر و قیمت کو نہ پہچانیں۔ مگر جن لوگوں کے دلوں میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عشق ہے جو محبت کے جذبات اپنے اندر رکھتے ہیں جو اپنے محبوب کی ایک چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی اپنی قیمتی متاع تصور کرتے ہیں، ان کی حالت اس واقعہ کو سُنکر اَور ہی ہو جاتی ہے۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبد المطلب چونکہ آپ کے زمانہ سے پہلے گذر چکے

* یہاں زمانہ سے مراد زمانہ نبوّت ہے۔ (مرتب)

تھے۔ اس لئے ان پر کوئی الزام نہیں۔ مگر آپؐ کے چچا ابوطالب جنہوں نے آپ کی بہت بڑی خدمات سرانجام دیں انہوں نے آپؐ کی نبوت کا زمانہ دیکھا لیکن آپ پر ایمان نہیں لائے۔ اس لحاظ سے ابوطالب یقیناً اسلام کی موت نہیں مرے۔ مگر کسی وقت اگر کوئی شخص پوچھے کہ ابوطالب کیسا تھا تو مونہہ سے انہیں کافر کہتے ہوئے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کوئی گلا گھونٹ رہا ہے اور یہی کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بڑی خدمت کی اور دل میں آپؐ پر ایمان بھی رکھتے تھے مگر ظاہر میں وہ ایمان نہیں لائے۔ اس طرح سو سو پیچ دے کر بات مونہہ سے نکلتی ہے۔ مگر آخر بات وہیں آ کر رہ جاتی ہے کہ وہ آپؐ پر ایمان نہیں لائے۔ ہماری جماعت میں ایسے کئی لوگ ہیں جنہوں نے مجھ سے یہ سوال کیا اور مجھے انہیں یہی جواب دینا پڑا کہ دیکھو فلاں موقعہ پر انہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی۔ اور فلاں موقعہ پر یہ کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دل میں وہ آپؐ پر ایمان رکھتے تھے گو ظاہر میں وہ ایمان نہیں لائے۔ مگر ان کے متعلق کافر کا لفظ مونہہ سے نہیں نکلتا کیونکہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے اور انہوں نے آپؐ کی بہت سی خدمت کی تھی۔ تو جہاں سچی محبت ہوتی ہے وہاں انسانی جذبات بھی اُبھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس نقطۂ نگاہ کو مدنظر رکھتے ہوئے تم سوچو کہ ابراہیمؑ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے انہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو کہ وہ بھی رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا تھے اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دادی تھیں کس طرح اللہ تعالےٰ کے رستہ میں قربان کر دیا۔ اور کس طرح انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل کو بغیر پانی اور بغیر کھانے اور اپنی بیوی حضرت ہاجرہ کو بغیر کھانے اور بغیر پانی کے مکّہ میں اس لئے چھوڑ دیا تا وہ وہاں اللہ تعالےٰ کا نام بلند کریں۔ وہ نظارہ کتنا دردناک نظارہ ہوگا۔ مَیں نے ماؤں کو دیکھا ہے بعض دفعہ ہنسی سے وہ اپنے بچوں کو ڈراتی ہیں اور جب وہ رونے لگتا ہے تو اس کے ساتھ خود بھی رونے لگ جاتی ہیں۔ حالانکہ وہ جانتی ہیں کہ انہوں نے بچے سے ہنسی کی مگر محض اس خیال سے کہ اس کے دل پر اس وقت کیا گذری ہوگی جب وہ روتا ہے تو خود بھی رو پڑتی ہیں۔ مَیں نے ماؤں کو دیکھا ہے وہ اپنے بچہ پر ناراض ہوتی ہیں اور اسے کسی کمرہ میں اکیلا بند کر دیتی ہیں پھر جب وہ کمرے میں رونے لگتا ہے تو اس سے چمٹ کر رونے لگ جاتی ہیں اور کہتی ہیں میرے بچے کے دل پر اس وقت کیا گذر رہی ہوگی۔ غرض ہم اپنے کئی بچوں میں سے کسی ایک بچے کی حقیقی تکلیف کا نہیں ایک خیالی تکلیف کا تصور کر کے ہی جبکہ ہم اسے کسی جنگل میں نہیں بلکہ اپنے گھر کے ایک کمرہ میں تھوڑی دیر کے لئے بند کر دیتے ہیں اتنی تکلیف محسوس کرتے ہیں۔ کہ اس کا اثر ایک لمبے عرصہ تک

ہماری طبیعت پر چھا جاتا ہے۔

مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے بچے تھے تو ایک دفعہ ہماری ہمشیرہ مبارکہ کو لڑکیوں نے کھیلتے ہوئے ایک طاقچہ میں بند کر دیا اور خود ادھر کھیل میں مشغول ہوگئیں۔ اپنے آپ کو ایک طاقچہ میں بند دیکھ کر وہ رونے لگیں اور کافی دیر تک روتی رہیں مگر وہ لڑکیاں چلی گئی تھیں اس لئے کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ کچھ وقت گذرنے کے بعد اتفاقاً وہاں سے ایک شخص گذرا اور اسے جب معلوم ہوا کہ اندر کوئی لڑکی رو رہی ہے تو اس نے دروازہ کھولا اور یہ باہر نکل آئیں۔ مجھے یاد ہے اس واقعہ کا سالہا سال تک ہماری والدہ صاحبہ کے دل پر اثر رہا۔ بلکہ ایک دفعہ دس بارہ سال کے بعد میں نے والدہ سے سُنا کہ وہ کہہ رہی تھیں میرا دل گھٹ رہا ہے۔ اور جب میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے تو فرمانے لگیں مجھے اس واقعہ کا خیال آگیا ہے جب لڑکیوں نے مبارکہ کو طاقچہ میں بند کر دیا تھا۔ اب ہماری ہمشیرہ زندہ سلامت بھی نکل آئیں۔ مگر دس بارہ سال کے بعد بھی جب ہماری والدہ صاحبہ کو اُس کا خیال آیا تو ان کا دل گھٹ گیا۔ اور فرمانے لگیں کہ مجھے یہ خیال آرہا ہے کہ اس وقت وہ اپنے دل میں کیا کہتی ہوگی کہ مَیں اندر ہی مر جاؤں گی اور مجھے کوئی نکالنے والا نہیں آئے گا۔ تو ہمارا بچہ اگر ایک معمولی مصیبت میں بھی گرفتار ہوتا ہے تو کئی سالوں کے بعد جب ہمیں اس کی یاد آتی ہے تو ہمارا دل گھٹ جاتا ہے۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک ایسے جنگل میں چھوڑا جس کے گرد منزلوں تک کوئی پانی نہیں تھا جس کے گرد منزلوں تک کوئی کھیتی نہیں تھی۔ جس کے گرد منزلوں تک کوئی قافلہ نہیں گزرتا تھا۔ اور جس کے گرد منزلوں تک کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ وہاں حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ کو اور اپنے اکلوتے بیٹے کو جو بڑے چاؤ کے بعد بڑھاپے کی عمر میں پیدا ہوا تھا چھوڑ دیتے ہیں۔ اور اس بچے کو چھوڑ دیتے ہیں جس کے متعلق خدا تعالےٰ کی طرف سے یہ خبر دی گئی تھی کہ تیری آئندہ نسل کی برکت اور عظمت اس کے ذریعہ قائم ہوگی۔ پھر ان کے پاس کوئی کھانے کا ذخیرہ نہیں کوئی پانی کا ذخیرہ نہیں۔ ایک مشکیزہ پانی کا تھا جو چوبیس گھنٹے سے زیادہ نہیں چل سکتا تھا اور ایک تھیلی کھجوروں کی حضرت ہاجرہ کے لئے تھی۔ جو دو تین دن سے زیادہ کے لئے کافی نہیں ہوسکتی تھیں۔ یہ دو چیزیں انہوں نے حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل کے پاس چھوڑیں اور انہیں اس بے آب وگیاہ جنگل میں چھوڑ کر واپس لوٹے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے صابر تھے۔ انہوں نے صبر کیا۔ اور اپنے جذبات کو دبایا۔ مگر پھر بھی حضرت ہاجرہ کو ان کی بعض حرکات سے پتہ لگ گیا۔ کہ یہ اب ہمیشہ کے لئے ہمیں یہاں چھوڑ کر چلے ہیں۔ در اصل انہوں نے حضرت ہاجرہ کو بتایا نہیں تھا کہ مَیں تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا ہوں تا انہیں صدمہ نہ ہو۔ جب وہ انہیں وہاں بٹھا کر جا رہے تھے تو حضرت ہاجرہ کو شبہ پیدا ہوا اور وہ

ان کے پیچھے آئیں اور کہا۔ ابراہیمؑ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا تم اب جا ہی رہے ہو، اور تمہارا واپس آنے کا ارادہ نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے جذبات کی شدت کی وجہ سے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ کیونکہ جب کسی نے اپنے جذبات کو دبایا ہوا ہو اور وہ بات کرے تو اسے رونا آجاتا ہے۔ حضرت ہاجرہ نے جب دیکھا کہ انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو انہوں نے پھر کہا۔ ابراہیمؑ! تم تو کہیں جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ انہیں اس پر اور زیادہ شبہ پیدا ہوا۔ اور وہ اور زیادہ اصرار سے پوچھنے لگیں۔ ابراہیم تم ہمیں کہاں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔ چونکہ ابھی تک حضرت ہاجرہ کو یہ معلوم نہ تھا کہ انہیں خدا کے حکم کے ماتحت یہاں چھوڑا گیا ہے یا دوسری سوت کی ناراضگی کی وجہ سے۔ اس لئے انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جذباتِ رحم کو اپیل کرتے ہوئے کہا۔ کہ ابراہیمؑ بغیر کھانے اور پینے کے کسی سامان کے تم اس جنگل میں چھوڑ کر ہمیں کہاں جا رہے ہو۔ مگر انہوں نے پھر بھی جواب نہیں دیا۔ اس پر حضرت ہاجرہ کو خیال پیدا ہوا کہ کہیں ابراہیمؑ کا یہ فعل خدائی حکم کے ماتحت نہ ہو۔ اس لئے انہوں نے پوچھا۔ اے ابراہیمؑ! کیا تم خدا کے حکم کے ماتحت ہمیں یہاں چھوڑے جا رہے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ پھر بھی اپنے جذبات کی شدت میں اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ مگر انہوں نے آسمان کی طرف اپنا سر اُٹھا کر اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ ہاں خدا کے حکم کے ماتحت میں تمہیں یہاں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ تب حضرت ہاجرہ اسی وقت لوٹ آئیں اور کہنے لگیں اِذَنْ لَّا يُضَيِّعُنَا۔ اگر خدا نے یہ حکم دیا ہے تو پھر وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

جب ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کی نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ تو ان کے جذبات جوش میں آگئے اور انہوں نے خدا تعالےٰ کے حضور ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا کہ اے میرے خدا! میں اپنی بیوی اور بچے کو تیرے سپرد کر چلا ہوں۔ اب تو خود ان کی حفاظت فرمانا۔

ادھر کچھ دنوں کے بعد وہ پانی جو ایک مشکیزہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام دے گئے تھے۔ ختم ہو گیا۔ کھجوریں ختم ہوئیں یا نہیں اس کے متعلق اس وقت تاریخی شہادت یاد نہیں۔ جب پانی ختم ہوا تو بچے نے پیاس کی شدت میں رونا اور بلبلانا شروع کر دیا۔ ہاجرہ دوڑتی ہوئی کبھی اِدھر جاتیں اور کبھی اُدھر۔ اور نظر دوڑاتیں کہ شاید کوئی شخص ایسا نظر آجائے جس کے پاس پانی ہو مگر وہاں تو میلوں میل تک کوئی پانی نہ تھا۔ اور پانی کا خیال کرنا بھی ایک وہم تھا۔ حضرت ہاجرہ لوٹ کر آتیں تو اپنے بچے کو روتا تڑپتا دیکھکر پھر اِدھر اُدھر بھاگتیں کہ شاید پانی مل جائے۔ مگر کہیں سے پانی دستیاب نہ ہوا۔ آخر جب بچے کی حالت بہت ہی خراب ہو گئی اور انہوں نے سمجھا کہ اب شدتِ پیاس سے دم توڑ رہا ہے تو وہ دو پہاڑیاں جن کے پاس انہوں نے اپنا ڈیرہ

لگایا تھا اور جن کا نام صفا اور مروہ تھا ان میں سے ایک پہاڑی پر دوڑ کر چڑھ گئیں کہ شاید کوئی دور سے قافلہ نظر آئے تو وہ اس سے پانی مانگ سکیں مگر انہیں کوئی قافلہ نظر نہ آیا۔ پھر وہ اس پہاڑی سے اتر کر دوسری پہاڑی پر دوڑتی ہوئی چڑھیں کہ شاید دوسری طرف سے کوئی قافلہ جاتا ہوا نظر آئے۔ مگر اس پہاڑی سے بھی انہیں کوئی قافلہ دکھائی نہ دیا۔ اور چونکہ وہ صفا سے جب نیچے اترتی تھیں تو انہیں اپنا بچہ نظر نہیں آتا تھا اس لئے دوڑ کر مروہ پر چڑھتیں تا کہ بچہ ان کی نظروں کے سامنے رہے ایسا نہ ہو کہ اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے۔ پھر جب مروہ سے اترتیں تو اسی طرح دوڑ کر صفا پر چڑھ جاتیں تا دیکھیں کہ کوئی پانی والا تو وہاں نہیں۔ اس طرح انہوں نے صفا اور مروہ پر سات چکر لگائے مگر کہیں پانی میسر نہ آیا۔ تب جب کہ ان کی تکلیف اپنی انتہاء کو پہنچ گئی اللہ تعالےٰ نے اپنے ایک فرشتہ سے کہا کہ جا اور ہاجرہ کو کہہ کہ تیرے لئے پانی خدا تعالےٰ نے پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے آواز دی۔ حضرت ہاجرہ نے اپنے جذبات کے دور میں پہلی دفعہ اس آواز کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ اور انہوں نے کہا۔ اے خدا کے بندے تیرے پاس کچھ پانی ہے۔ تب اس فرشتہ نے دوبارہ کہا کہ اے ہاجرہ! جا اور دیکھ کہ خدا تعالےٰ نے تیرے بیٹے کے لئے چشمہ پھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ وہ واپس آئیں اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ جہاں شدتِ پیاس سے تڑپ رہے تھے وہاں پانی کا ایک چشمہ پھوٹ رہا ہے۔ یہ چشمہ دراصل عرصہ سے وہاں تھا مگر اس کا دہانہ مٹی سے بند ہو چکا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے جب پیاس کی شدت میں ایڑیاں رگڑیں۔ تو اس کے دہانہ سے مٹی ہٹ گئی اور چشمہ پھوٹ پڑا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے جلدی جلدی ہاتھوں سے اس کے دہانہ پر سے مٹی اٹھائی اور اس کا مونہہ کھول کر چلوؤں سے پانی نکالا۔ اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پلایا۔ گویا وہی ایڑیاں جو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی موت کے قرب پر دلالت کر رہی تھیں اس کی حیات کا باعث ہو گئیں۔ اور انہیں سے وہ چشمہ پھوٹا جس نے ان کو زندہ کر دیا۔ جب وہاں چشمہ پھوٹ پڑا تو قافلے والوں نے وہاں آنا شروع کر دیا۔ اور انہوں نے حضرت ہاجرہ سے وہاں رہنے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ ہم ٹیکس گذار ہو جائیں گے چنانچہ حضرت ہاجرہ نے انہیں اجازت دیدی اور وہ وہاں رہنے لگ گئے۔ اس طرح رفتہ رفتہ مکہ ایک بہت بڑا شہر بن گیا۔ لیکن ہاجرہ کی عمر خواہ کتنی بھی لمبی ہوئی ہو اس عرصہ میں انہیں جب بھی وہ وقت یاد آجاتا ہوگا جب ان کا بچہ شدتِ پیاس سے تڑپ رہا تھا اور وہ پانی کی تلاش میں دیوانہ وار صفا اور مروہ کے چکر کاٹ رہی تھیں تو ان کا دل دھڑکنے لگ جاتا ہوگا۔

آج اسی کی یاد میں (آج سے میری مراد خاص آج کا دن نہیں بلکہ آجکل کے ایام مراد ہیں)

خدا تعالیٰ کے بندے مکہ میں جمع ہو کر صفا اور مروہ پر دوڑتے ہیں ان کا دوڑنا کتنا مصنوعی ہوتا ہے۔ ان میں سے بہتوں کا دوڑنا کتنا پُر تکلف یا بطور تماشہ اور ناٹک کے ہوتا ہے۔ وہ صفا پر چڑھتے ہیں، وہ مروہ پر چڑھتے ہیں۔ وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے بھی ہیں۔ مگر ان کے دل جذبات سے کلیتہً خالی ہوتے ہیں انہیں یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ آج سے ۳۸ سو سال پہلے اسی مقام پر ایک ماں دوڑ رہی تھی۔ ایسے شدید جذبات کے ساتھ کہ دنیا میں شاید ہی کسی اور ماں کے ایسے شدید جذبات ہوں۔ ایسی شدید تکلیف کی حالت میں کہ دنیا میں شاید ہی کسی ماں کو ایسی شدید تکلیف پہنچی ہو۔ وہ اور اس کا اکلوتا بچہ ایک بے آب وگیاہ جنگل میں جس میں منزلوں تک پانی کا کوئی نشان نہ تھا۔ پڑے تھے اور اس کا وہ اکلوتا بچہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنی جان دے رہا تھا سونے کے لئے نہیں۔ چاندی کے لئے نہیں۔ ہیروں اور جواہرات کے لئے نہیں بلکہ پانی کے ایک چُلّو کے لئے جو ایک چوہڑے کو بھی مل جاتا ہے۔ کون ہے جو ان جذبات کو سمجھے کون ہے جو اس حقیقت پر نگاہ ڈالے۔ دوڑنے والے دوڑتے ہیں حج کرنے والے حج کرتے ہیں۔ مگر وہ تہی دل ہوتے ہیں اور اسی لئے تہی دست واپس آجاتے ہیں۔ اگر کسی شخص کے دل میں صفا اور مروہ پر دوڑتے وقت وہی جذبات پیدا ہوں جو ہاجرہ کے دل میں پیدا ہوئے تھے تو اگر وہ یہاں سے مٹی ہو کر بھی گیا تھا تو سونا بن کر واپس آئے گا اور اگر تانبا ہو کر گیا تھا تو اکسیر بن کر واپس آئے گا کیونکہ صفا اور مروہ انسان کو پاک نہیں کرتے اور نہ صفا اور مروہ کی وجہ سے فرشتہ نازل ہوا تھا بلکہ ہاجرہ کے دل کی تکلیف کی وجہ سے جو اس نے خدا کے لئے برداشت کی فرشتہ نازل ہوا تھا۔

حضرت ہاجرہ نے موت کو سامنے کھڑے ہوئے دیکھا اور پھر بھی خدا تعالیٰ پر اعتبار کیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ سے کہہ دیا کہ اگر خدا تعالیٰ نے ہمیں اس جگہ چھوڑ دینے کو کہا ہے تو وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ پس خدا تعالیٰ نے بھی نہ چاہا کہ اس کے اعتماد کو ضائع کرے۔ اگر وہی دل لیکر آج بھی کوئی صفا اور مروہ پر دوڑے تو وہ ہاجرہ کی صفات اپنے اندر لے لیگا۔ وہ اسماعیلی صفت انسان بن جائے گا۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کی صفات کا مظہر ہو جائے گا۔ مگر ان قربانیوں کے مقابلہ میں کتنی حقیر قربانیاں ہیں جو لوگ کرتے ہیں اور پھر کس قدر بے حقیقت دعوے ہیں جو ان کی زبان پر آتے ہیں۔ آج اسلام کے لئے کس قدر نازک وقت ہے کتنی تاریک گھٹائیں ہیں جو اسلام پر چھائی ہوئی ہیں۔ اگر ہر مسلمان کی گردن آج تلوار کے نیچے ہوتی اگر ہر مسلمان کا سر آج جلاد کے چمڑے کے اوپر رکھا ہوا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اسلام ہرگز اس خطرہ میں نہیں جس خطرہ میں وہ آج گھرا ہوا ہے۔ کیونکہ ایک مسلمان کی گردن کا تلوار کے نیچے ہونا اتنی خطرناک بات نہیں جتنی خطرناک بات

ایک مسلمان کے دل کا شیطان کے قبضہ میں ہونا ہے۔ جب ہمارا دل آزاد ہوگا ہماری قربانی دوسرے کو موہ لے گی۔ کیونکہ گو ہماری گردنیں اس وقت کاٹی جا رہی ہوں گی مگر ہماری زبانوں سے لا الٰہ الّا اللہ محمد رسول اللہ کا کلمہ نکل رہا ہوگا۔ لیکن اگر ہمارے دل شیطان کے قبضہ میں ہوں اور ہم ظاہری طور پر تو مسلمان کہلاتے ہوں لیکن اندرونی طور پر ہمارا دل کفر کے آگے جھکا جا رہا ہو تو یہ موت دوسرے کے دل میں جذبۂ مؤدت کس طرح پیدا کر سکتی ہے یہ موت تو اسلام کے دشمن کے دل میں جذبۂ حقارت ہی پیدا کرے گی کیونکہ دشمن جانتا ہے کہ میرا مدمقابل میدان سے بھاگنے والا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ ذلیل ہو کر میدان سے پسپا ہونے والا ہے۔ پس اس کے دل میں حقارت اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے لیکن اگر کوئی دشمن کا مقابلہ کرتا اور اس کے مقابلہ میں مردانہ وار اپنی جان دے دیتا ہے۔ تو اس کی نفرت کم ہو جاتی ہے۔ اور وہ باوجود دشمن ہونے کے اس کی عزت کرنے لگ جاتا ہے۔ غرض اسلام آج ایسی مصیبت میں مبتلا ہے جس مصیبت میں وہ آج سے پہلے کبھی مبتلا نہیں ہوا۔ آج اسلام پر دشمن چاروں طرف سے حملہ آور ہے۔ مگر تلواروں سے نہیں بلکہ الحاد اور کفر اور بدعت کے ہتھیاروں سے۔ آج مسلمان کی جان خطرے میں نہیں مگر اس کا ایمان خطرے میں ہے آج اس کے دل اور اسکے دماغ اور اس کے تمام اعتقادپر کفر مستولی ہو چکا ہے مگر مسلمان ہیں کہ مُردوں کی طرح ہو رہے ہیں۔ اور اسلام کے لئے ان کے دلوں میں کوئی درد پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسلام کی اس بیکسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید

دینِ حق بیمار و بیکس ہمچو زین العابدین [۱۲]

مگر زین العابدین پر تو لوگوں کو رحم آتا تھا کیونکہ وہ ظاہری مصیبت میں مبتلا تھے۔ اور ظاہری مصیبتیں انسان کے جذباتِ رحم کو اپیل کیا کرتی ہیں مگر اسلام پر تو رحم کھانے والا بھی کوئی نہیں پھر امام زین العابدین کو وہ مصیبت نہیں پہنچی جو اسلام کو پہنچ رہی ہے۔ جس مصیبت میں آج احمدیت مبتلا ہے جب امام حسین کے لشکر کو شکست دے کر ان کا سر یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت یزید کتنے غرور اور گھمنڈ میں تھا۔ اور کس طرح لوگ اس سے مرعوب ہو رہے تھے کہ وہ ایک ہی کانٹا جو اس کے دل میں کھٹک رہا تھا اس کو بھی اس نے نکال کر باہر پھینک دیا۔ لوگ اس وقت یزید کی ہیبت سے کس قدر خوفزدہ ہوں گے۔ اور وہ خود اپنے دل میں کس قدر خوش ہوتا ہوگا کہ میں نے امام حسین کو قتل کر دیا اور آج کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔ چنانچہ جب اس کے دربار میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا سر کاٹ کر لایا گیا تو چونکہ مرنے والے کے پٹھے کھنچ جاتے ہیں اس لئے ان کے ہونٹ بھی پیچھے کو کھنچے ہوئے تھے۔ یزید نے اس وقت اپنی سوٹی لی اور حضرت امام حسینؓ کے دانتوں پر

یہ کہتے ہوئے مارنی شروع کر دی کہ دیکھو تو اس کے دانت کیسے چمکیلے ہیں[۲۱]۔ یہ ایک ظاہری حقارت کی چیز تھی۔ امام حسینؓ کو اس سے کیا نقصان ہو سکتا تھا مگر اس کی اس حرکت پر اسی وقت اس کے دربار میں ایسے لوگ کھڑے ہو گئے جنہوں نے یزید کے اس فعل کو نہایت بُرا محسوس کیا۔ چنانچہ ایک شخص نے اسی وقت یزید کی سوٹی پر ہاتھ مارا اور کہا اسے پیچھے ہٹاؤ۔ میں نے ان دانتوں پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ بادشاہ تھا اور ایسا مغرور بادشاہ تھا اسے یہ جرأت نہیں ہوئی کہ اس کے مقابلہ میں کوئی لفظ کہہ سکے اس نے اپنی نظر نیچے کر لی اور سوٹی کو پرے ہٹا لیا[۲۲]۔

زین العابدین اس وقت بچے تھے اور ان کی تکلیف بھی لوگوں پر اثر ڈالتی تھی۔ مگر یزید نے اپنا رعب جمانے کے لئے چاہا کہ ان کو بھی لوگوں کے سامنے ذلیل کرے۔ چنانچہ کسی نے اُسے یہ تجویز بتائی کہ اس بچے سے تقریر کراؤ جب یہ تقریر نہیں کر سکے گا تو لوگ ہنسیں گے اور یہ ذلیل ہو گا۔ چنانچہ یزید نے پہلے اپنے خاندان میں سے ایک شخص کو کھڑا کیا اور کہا کہ تم تقریر کرو۔ وہ کھڑا ہوا اور اس نے یزید کے خاندان کی تعریف کرنی شروع کر دی کہ یہ خاندان کس عزت و عظمت کا مالک ہے۔ اس کے بعد زین العابدین کو کھڑا کیا گیا وہ اس وقت بارہ تیرہ[۲۳] سال عمر کے بچے تھے ان کی تقریر بالکل بچگانہ ہے اور اسے پڑھ کر خیال آتا ہے کہ ایک بچہ ہے جو صرف دعویٰ بیان کر رہا ہے انہوں نے کہا میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پوتا ہوں*۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم وہ تھے جنہوں نے مکہ فتح کیا جن کے احسانات تمام دنیا پر ہیں اور جن کی غلامی پر ہر شخص کو فخر ہے یہ وہ وقت تھا کہ اِدھر لوگوں نے ان مصیبتوں کو دیکھا۔ جو حضرت امام حسینؓ اور ان کے خاندان پر آئیں اور اُدھر اس بچے کے مونہہ سے یہ سُنا کہ میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پوتا ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ یکدم لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔ اور یزید کو اس کے مشیروں نے کہا۔ کہ اس مباحثہ کو بند کرو۔ ورنہ تمہاری حکومت خطرہ میں پڑ جائے گی اور لوگ بغاوت کر دیں گے[۲۴]۔ یہ ظاہری مصیبتیں تھیں جنہوں نے لوگوں کے دلوں پر اثر کیا۔ بلکہ اَوروں کا کیا ذکر ہے یزید کے اپنے بیٹے پر اس کا اثر ہوا۔ اور وہ اپنے باپ کا سخت مخالف ہو گیا۔ لوگ یزید کو گالیاں دیتے اور اسے بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مگر یہ نہیں جانتے کہ اسی کے خاندان میں دو قیمتی جوہر پوشیدہ ہیں۔ جن میں سے ایک جوہر حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز ہیں اور دوسرا جوہر یزید کا بیٹا ہے۔ جس کا نام بھی جہاں تک مجھے یاد ہے اپنے دادا کے نام پر معاویہ[۲۵] ہی تھا۔ اس نے ان مظالم کو دیکھا اور اندر ہی اندر ان سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ مگر چونکہ وہ اپنے باپ کے خلاف بول نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش رہا مگر آخر وہ دن آیا کہ اس کا باپ مر گیا۔ باپ نے اپنی زندگی میں ہی اس کے

---

* اس سے مراد اولاد ہے ورنہ اصل رشتہ پڑنواسا ہونے کا تھا۔

ہاتھ پر لوگوں کی بیعت کرا دی تھی اس لئے یزید کے بعد وہی بادشاہ بنا اور اس نے دوبارہ لوگوں سے بیعت لی۔ بیعت لینے کے بعد وہ اپنے گھر چلا گیا اور چالیس دن یا اس سے کم وبیش اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا۔ پھر ایک دن وہ باہر آیا۔ منبر پر کھڑا ہوا اور لوگوں سے کہنے لگا۔ اے لوگو! میں نے تم سے اپنے ہاتھوں پر بیعت لی ہے مگر اس لئے نہیں کہ میں اپنے آپ کو تم سے بیعت لینے کا اہل سمجھتا ہوں بلکہ اس لئے کہ میں چاہتا تھا تم میں تفرقہ پیدا نہ ہو۔ ورنہ میں اپنے دل میں اُس وقت بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص لوگوں سے بیعت لینے کا اہل ہو تو میں یہ امارت اس کے سپرد کردُوں اور خود بری الذمہ ہوجاؤں۔ چنانچہ اس کے بعد میں اپنے گھر چلا گیا۔ اور اتنے دن جو میں باہر نہیں نکلا تو اسی لئے کہ میں یہ سوچتا رہا کہ تمہاری بیعت لینے کا کون شخص اہل ہے میں نے اپنے آپ کو ابوبکرؓ کے مقام پر بھی کھڑا کیا اور چاہا کہ اگر تم میں کوئی عمرؓ ہو تو میں اس کے ہاتھ میں تمہارے ہاتھ دیدوں۔ مگر مجھے تم میں کوئی عمرؓ نظر نہیں آیا۔ پھر میں نے اپنے آپ کو عمرؓ کے مقام پر کھڑا کیا اور چاہا کہ اگر مجھے ایک آدمی نہیں ملتا تو کم از کم ایسے چھ آدمی ہی مل جائیں جن کے سپرد عمرؓ نے انتخاب خلافت کا کام کیا تھا مگر مجھے آج تم میں ایسے چھ آدمی بھی نظر نہیں آتے۔ اس لئے اے لوگو! یہ اچھی طرح سُن لو کہ میں اس منصب کے قابل نہیں ہوں اور میں یہ بھی کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میرا باپ اور میرا دادا بھی اس منصب کے قابل نہیں تھے۔ میرا باپ حسینؓ سے درجہ میں بہت کم تھا۔ اور اس کا باپ حسینؓ کے باپ سے کم درجہ رکھتا تھا۔ علیؓ اپنے وقت میں خلافت کا حقدار تھا اور اس کے بعد حسنؓ خلافت کا زیادہ حقدار تھا بہ نسبت میرے دادا اور میرے باپ کے۔ اس لئے میں اس امارت سے سبکدوش ہوتا ہوں اب یہ امر تمہاری مرضی پر منحصر ہے جس کی چاہو بیعت کرلو۔ اس کی ماں اس وقت پردہ کے پیچھے بیٹھی اس کا خطبہ سُن رہی تھی۔ اس نے یہ سنتے ہی کہا۔ کمبخت! تو نے اپنے خاندان کی ناک کاٹ دی اور اس کی تمام عزت خاک میں ملا دی۔ وہ کہنے لگا۔ مجھے جو کچھ کہیں یہ آپ کی مرضی ہے۔ مگر حق بات وہی ہے جو میں نے کہی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد وہ اپنے گھر میں بیٹھ گیا اور چند دن گذرنے کے بعد فوت ہو گیا[۲۵]

یہ اثر تھا ان مظالم کا جو اس نے اپنے خاندان کی طرف سے دیکھے اور یہ اثر تھا ان مصائب کا جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ وغیرہ کو پہنچے۔ اس نے ان مقابلوں کو بھی دیکھا جو اس کے دادا کے حضرت علیؓ سے ہوئے اور اس نے ان دکھوں کا بھی مشاہدہ کیا جو اس کے باپ نے حضرت حسینؓ کو پہنچائے۔ اس کا دل یہ مظالم دیکھکر اندر ہی اندر کباب ہو گیا۔ مگر چونکہ اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ مقابلہ کے لئے کھڑا ہو سکتا اس لئے خاموش رہا مگر جب عنانِ حکومت اس کے ہاتھ

میں آئی تو اس نے کہدیا کہ میں اسے ہاتھ میں رکھنے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔

بوجہ یزید کے نہایت قریبی ہونے کے شاید لوگ اس کی تعریف کرتے ہوئے ڈرتے ہیں خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے اس کی تعریف کی تو ایسا نہ ہو کہ یہ تعریف یزید کی سمجھی جائے مگر اس میں کوئی شبہ نہیں کہ خواہ اس میں کتنی ہی کمزوریاں ہوں۔ وہ ایک پاک طینت شخص تھا۔ یہ نتیجہ تھا ان ظاہری مصائب کا جو اس نے اپنی آنکھوں سے اہل بیت پر وارد ہوتے دیکھے اور انہی ظاہری مصائب نے یزید کے بیٹے کو حضرت علیؓ اور حضرت امام حسینؓ کا غلام بنا دیا۔ مگر اسلام پر جو برچھی چلائی جا رہی ہے وہ مخفی ہے وہ بظاہر نظر نہیں آتی لیکن اس کا حملہ بڑا خطرناک ہے۔ آج ساری دنیا متحد ہے اور وہ اپنی متفقہ کوششوں سے چاہتی ہے کہ مظلوم اور بیکس اسلام کو مٹا دے اور اس کا کوئی نام لیوا دنیا میں نہ رہے ہم میں سے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو آتے ہیں اور کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ کہ ہم اسلام کی محافظت کریں گے۔ ہم اپنی جانیں اس کی راہ میں قربان کر دیں گے مگر پھر وہ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھ جاتے ہیں اور انہیں یاد بھی نہیں رہتا کہ انہوں نے کیا اقرار کیا تھا۔ ہماری وہ قربانیاں جنہیں ہم قربانیاں کہتے ہیں اور جن کو قربانیاں کہنا بھی قربانیوں کی ہتک کرنا ہے، اسلام کی مشکلات کے مقابلہ میں کیا حقیقت رکھتی ہیں پھر ابھی تو ہم صرف مالی قربانیاں کر رہے ہیں جانی قربانی کا موقع تو بالعموم ہندوستان سے باہر ان حکومتوں میں ہی میسر ہے جہاں لوگ احمدیت کے اقرار کی وجہ سے قتل کئے جاتے ہیں۔ پھر وقت کی قربانی بھی بہت کم لوگوں کو میسر ہے اسی طرح وطن کی قربانی جذبات و احساسات کی قربانی آرام و آسائش کی قربانی اور دیگر بہت سی قربانیاں بہت ہی کم لوگوں کو میسر ہیں۔ اور پھر مالی قربانی میں بھی صحیح طریق عمل اختیار نہیں کیا جاتا۔ بہت سے لوگ ہیں جو وعدے کرتے ہیں مگر انہیں پورا نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ ہیں جو وعدے کرتے ہیں مگر انہیں میعاد کے آخر میں پورا کرتے ہیں بہت سے لوگ ہیں جو وعدے کرتے ہیں مگر وعدوں کو پورا کرنے کے لئے سامان بہم نہیں پہنچاتے۔

میں نے تحریک جدید کے شروع میں ہی کہا تھا کہ اگر تم کوئی وعدہ کرتے ہو تو تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم وہ ماحول بھی پیدا کرو جس کے ماتحت تم اپنے وعدے کو آسانی کے ساتھ پورا کر سکو۔ اگر تم صرف ایک ہی کھانا نہیں کھاتے بلکہ کئی عمدہ سے عمدہ کھانے تیار کروا کر کھاتے ہو۔ اگر تم سادہ کپڑے نہیں پہنتے بلکہ لباس پر بہت سا روپیہ بیجا طور پر صرف کر دیتے ہو۔ اور اس طرح تمہارے پاس کچھ نہیں بچتا۔ تو اگر تم نے تحریک جدید میں سو روپے دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے سو روپے تم نے وصیت کا دینا ہے اور سو روپے تمہارا کوئی اور چندہ ہے تو وہ تین سو روپے تم کہاں

سے دو گے۔ جب تم نے اس روپے کے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں رکھی۔ جبکہ اپنی آمد کے برابر پہلے سے ہی تم خرچ کر رہے ہو تو تم مزید بوجھ کس طرح اٹھا سکتے ہو۔ اس صورت میں اگر تم سو یا دو سو روپے کا وعدہ بھی لکھا دیتے ہو تو اس کے یہی معنے ہوں گے کہ تم نے محض نام و نمود کے لئے وعدہ لکھوا دیا ورنہ تمہاری نیت شروع سے ہی یہی ہے کہ تم وعدہ پورا نہ کرو۔

پس جب تک کھانے اور پینے اور پہننے اور رہائش کے طریق میں تبدیلی نہیں کی جاتی۔ اس وقت تک کسی مالی قربانی کی توفیق نہیں مل سکتی۔ اور اگر تم ان حالات میں کوئی وعدہ کرتے ہو تو تم خدا تعالیٰ سے تمسخر کرتے ہو اور پھر اگر یہ وعدہ میعاد کے اندر پورا بھی ہو جائے تو خدا تعالیٰ کے فضل سے پورا ہوگا۔ تمہارے متعلق یہی سمجھا جائے گا کہ تم نے اس کے لئے کوئی تیاری نہیں کی تھی۔

پھر جس قسم کی مالی مشکلات میں سے اس وقت ہمارا سلسلہ گذر رہا ہے ان کی موجودگی میں ہماری موجودہ مالی قربانیاں ہرگز کافی نہیں ہیں۔ اور ہم ان کاموں کو کبھی بھی ایک لمبے عرصہ تک جاری نہیں رکھ سکتے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے بجٹوں پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا۔ اور ہمیں اپنے طریق تبلیغ پر بھی نظرثانی کرنی پڑے گی اور ہمیں اپنے سارے کارکنوں سے ایسے رنگ میں قربانی لینی پڑے گی جس رنگ میں ان سے پہلے کبھی قربانی کا مطالبہ نہیں کیا گیا اور میں سمجھتا ہوں کہ مالی دقتوں کے لحاظ سے اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنے مبلغین سے بھی یا تو آنریری طور پر خدمت لیں یا اس صیغہ کو بالکل بند کر دیں۔ آخر تحریک جدید میں جو مبلغ کام کر رہے ہیں وہ آنریری کام کر رہے ہیں۔ اور یا پھر نہایت ہی قلیل گذارہ لے رہے ہیں۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ اگر تحریک جدید کے مجاہد اس قدر قلیل گذارہ پر کام کر سکتے ہیں تو دوسرے مبلغین کام نہ کر سکیں۔ اور اگر حالات پیدا ہوں تو ان کے سابقہ طریق میں تغیر نہ کیا جائے اسی طرح بیرونی جماعتوں میں جو سلسلہ کے کارکن ہیں ان کے لئے بھی مزید قربانیوں کے دروازے کھولے جائیں گے۔ مگر وہ یاد رکھیں کہ ان کو اسی وقت ان قربانیوں کی توفیق ملے گی جب وہ تحریک جدید کے اصول کے پابند ہوں گے۔ اگر وہ ان اصولوں کی پیروی نہیں کریں گے تو انہیں قربانی کی توفیق ہرگز نہیں ملے گی کیونکہ جو شخص تیاری نہیں کرتا وہ امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

پس اے دوستو! جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے واقعہ کو سنتے اور اس کی یاد میں بکرا یا گائے یا دنبہ ذبح کرتے ہو تمہیں یاد رہے کہ بکرے یا گائے کی قربانی کرنا آسان ہے مگر اپنی جان اپنے مال اپنے آرام اور اپنی آسائش کی قربانی کرنا مشکل ہے۔ حضرت ابراہیم نے

بکرا ذبح نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے اپنی بیوی اور اپنے بچے کو قربان کر دیا تھا۔ اگر تم واقعہ میں حضرت ابراہیمؑ کی یاد تازہ کرتے ہوئے عیدالاضحیہ میں حصہ لینا چاہتے ہو اگر تم یہ آرزو رکھتے ہو کہ آئندہ جب دنیا میں عیدالاضحیہ منائی جائیں تو گو دنیا اسے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد میں منائے مگر خدا تعالےٰ کے رجسٹر میں تمہارا نام بھی ہو اور آسمان پر تمہاری قربانیوں کی یادگار میں بھی عیدالاضحیہ منائی جائے تو تمہیں ابراہیمی صفات اپنے اندر پیدا کرنی چاہئیں۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ عید صرف حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں منائی جاتی ہے اور ان کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوا جس نے خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو قربان کر دیا ہو کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ نے جو قربانیاں کیں وہ کوئی معمولی ہیں اور کیا ان کے بعد ہزاروں ایسے لوگ نہیں ہوئے جنہوں نے اپنے بیوی بچے خدا تعالےٰ کی راہ میں قربان کر دیئے۔ یقیناً ایسے لوگ ہوئے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں ہوئے ہیں لیکن چونکہ اتنی لمبی لسٹ (آدامی) لوگ یاد نہیں رکھ سکتے۔ اس لئے دنیا کے لوگ تو یہ عید صرف حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کی یاد میں مناتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کی لسٹ میں ان تمام لوگوں کے نام درج ہوتے ہیں جنہوں نے اس کی راہ میں قربانیاں کیں جب عیدالاضحیہ آتی ہے اور لوگ اسے حضرت ابراہیمؑ کی یاد میں مناتے ہیں اس وقت خدا ان سارے شہداء کی یاد میں یہ عید مناتا ہے جنہوں نے اس کے لئے قربانیاں کیں۔ اسی طرح خدا تعالےٰ کے فرشتے ان سارے شہداء کے نام پر یہ عید مناتے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں اور اپنے مالوں کو خدا تعالےٰ کے رستہ میں قربان کر دیا۔ ہمارے سامنے آج وہ بکرے ہوتے ہیں جن کے گلوں پر ہم چھریاں پھیرتے ہیں اور میرے جیسے عدیم الفرصت انسان کے سامنے تو بکرا بھی نہیں ہوتا۔ کوئی دوسرا ہی اسے ذبح کرتا ہے مگر خدا تعالےٰ کے دربار میں یہ بکرے نہیں ہوتے۔ بلکہ آج جبکہ دنیا میں بکروں پر چھریاں پھر رہی ہوں گی خدا تعالےٰ کے سامنے حضرت ابراہیمؑ کو پیش کیا جا رہا ہوگا اور وہ اسے کہہ رہا ہوگا کہ اے ابراہیمؑ دیکھ تو نے اپنے بچے اسمٰعیلؑ کو میری راہ میں قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا تھا دیکھ تو نے اپنی بیوی ہاجرہ کو ایک بے آب وگیاہ جنگل میں میرے حکم کے ماتحت چھوڑ دیا تھا۔ بے شک تو نے قربانی کی اور بہت بڑی قربانی کی۔ مگر اے ابراہیمؑ! ذرا دنیا کی طرف نظر اٹھا اور دیکھ کہ آج تیری نسل کس کثرت سے تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ ریت کے ذرّوں کو گنا جا سکتا ہے مگر تیری نسل کے افراد کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اب بتا کہ اسمٰعیلؑ کی قربانی ضائع گئی یا وہ دنیا میں عظیم الشان رنگ لائی اور ابراہیمؑ شرم سے اپنی آنکھیں نیچی کر لیتا ہوگا۔ اور کہتا ہوگا۔ اے خدا۔ نہیں میری قربانی تیرے انعاموں کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں رکھتی اور پھر آج حضرت ابراہیمؑ

ہی نہیں محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بھی خدا تعالے کے سامنے پیش کیا جا رہا ہوگا۔ اور خدا تعالے ان تمام ترقیات کے نظارے آپ کو دکھا رہا ہوگا جو تیرہ سو سال میں آپ کو اور آپ کی امت کو حاصل ہوئیں۔ اور کہتا ہوگا اے ہمارے رسول تیری مکہ کی تکالیف بے شک بہت بڑی تکالیف تھیں۔ بے شک مدینہ کے مصائب بہت بڑے مصائب تھے۔ مگر بتا تو سہی کہ ان قربانیوں کے نتیجہ میں ہم نے تیرے ہاتھوں سے جو علوم اور عرفان کے دریا بہا دیئے اور دنیا میں حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا یہاں تک کہ نکبت و ذلت کے گڑھے میں گرتی ہوئی قومیں تیری تعلیم پر عمل کرکے دنیا کی بادشاہ بن گئیں کیا اس انقلاب اور ان عظیم الشان انعامات کے مقابلہ میں یہ قربانیاں کوئی بھی حقیقت رکھتی ہیں۔ اور محمد صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روح محبت کے ساتھ آستانۂ الٰہی پر جھکتے ہوئے یہ کہتی ہوگی کہ اے خدا نہیں میری قربانیاں ان انعاموں کے مقابلہ میں کوئی چیز نہیں اسی طرح آج بدر کے شہداء اور اُحد کے شہداء جنہوں نے رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پہلو بہ پہلو لڑتے ہوئے خدا تعالے کی راہ میں جان دی جن کے گھروں میں اس وقت آہ و فغاں سے ایک کہرام مچ گیا تھا جن کی موت نے ان کے رشتہ داروں کے قلوب کو غم و اندوہ کے جذبات سے لبریز کر دیا تھا ان کی روحوں کو آج خدا تعالے اپنے دربار میں کھڑا کرکے بتا رہا ہوگا کہ دیکھو تمہاری قربانیوں نے کیسے میٹھے پھل پیدا کئے اور انہوں نے اسلام کی کھیتی کو کس طرح ہرا بھرا کر دیا اسی طرح وہ ہزاروں نہیں لاکھوں روحیں جو دنیا میں فداکاری کے جذبات لئے آئیں جنہوں نے قربانیوں کے بعد نورِ عرفان حاصل کیا اور سماوی برکات سے بہرہ یاب ہوئیں۔ اللہ تعالے انہیں اپنے سامنے بلاتا ہوگا اور کہتا ہوگا اے میرے بندو! کیا تمہاری قربانیاں رائیگاں گئیں اور کیا ان انعامات کے بدلہ میں جو میں نے تم پر کئے تمہاری قربانیاں کوئی بھی حقیقت رکھتی ہیں۔ اور وہ محبت سے اللہ تعالے کی بارگاہ میں گرتے ہوئے یہ کہتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب! ہماری قربانیاں تو کچھ بھی نہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ماضی انسان کو سبق دیتا ہے مگر مستقبل صرف دانا کو سبق دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالے فرماتا ہے کہ جب فتح ہوئی اور اسلامی لشکر غنیمت کے اموال لے کر واپس لوٹا تو منافقوں نے بکریوں اور بھیڑوں کی پیٹھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ ہم بھی تمہارے ساتھ ہیں۔ کیونکہ جب فتح ہو جاتی ہے تو منافق بھی انعامات میں شریک ہو جاتے ہیں۔ مگر مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف مومن ہی قربانی کرتا ہے اور وہی قربانی اللہ تعالے کے حضور قبول ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسے وقت میں قربانی کرتا ہے جب لوگ کہتے ہیں کہ یہ قربانی ضائع ہو گئی۔ جب دنیا اس کی تکلیفوں پر ہنس رہی ہوتی ہے۔ جب دنیا قربانیوں کو رائیگاں تصور کر رہی ہوتی ہے۔ جب دنیا اُسے پاگل اور مجنون کہہ رہی ہوتی ہے۔ وہ خدا تعالے کے ذکر کو بلند کرنے اور اس کے نام کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کے لئے رات دن

جانی اور مالی قربانیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ وہ نہ اپنے آرام کی پرواہ کرتا ہے نہ آسائش کی بلکہ خدا تعالیٰ کی راہ میں وہ اپنی بیوی اور بچوں کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہی لوگ ہیں جن کی قربانی اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے لیکن بعد میں انعامات میں حصہ لینے کے لئے تو منافقوں کا گروہ بھی آجاتا ہے۔ اور خدا تعالیٰ انہیں بھی کہتا ہے کہ تم بھی کچھ لے لو۔ جیسے مرنے والا جب مر جاتا ہے اور اس کا ترکہ تقسیم ہونے لگتا ہے تو ایسی حالت میں اگر کوئی سائل آجائے تو اسے بھی کچھ دے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب دنیوی برکات آتی ہیں تو خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ ان منافقوں کو بھی کچھ دے دو مگر ابراہیمی برکات کے وہ وارث نہیں ہو سکتے۔ وہ برکات انہی کو ملتی ہیں جو قربانیوں کے میدان میں ہمیشہ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ جن کی نگاہیں آسمان کی طرف بلند ہوتی ہیں اور جو دنیوی نعماء کی بجائے اُخروی نعماء کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں اور در حقیقت اصل نعمتیں اور حقیقی برکات وہی ہیں۔

خدا تعالیٰ مجھے بھی اور آپ لوگوں کو بھی اس امر کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم ہر قسم کی قربانیوں میں دلی شوق سے حصہ لینے والے ہوں۔

ہمارے قلوب ہر قسم کے زنگ سے پاک ہوں اور کلی اعتماد اور پورے شوق کے ساتھ ہم جانی اور مالی قربانی اس کے حضور پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اور پھر ہمیشہ اپنی قربانیوں میں بڑھتے چلے جائیں تا آئندہ جب دنیا ابراہیمؑ کی یاد میں عید الاضحیہ منانے لگے تو اس وقت آسمان پر خدا تعالیٰ کے رجسٹر میں میرا اور تمہارا نام بھی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی رحمتیں ہمارے شامل حال ہوں اللّٰھم آمین۔

(الفضل ۱۵ مارچ ۱۹۳۸ء صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۱)

۱؎ ۔ سنن ابن ماجہ ابواب صلاۃ العیدین باب ما جاء فیما اذا اجتمع العیدان فی یوم
۲؎ ۔ سنن ابی داؤد کتاب الاطعمۃ باب فی اکل الضبّ۔
۳؎ ۔ سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا وفق یوم الجمعۃ یوم عید
۴؎ ۔ ارض القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۵
۵؎ ۔ پیدائش باب ۱۱ آیت ۲۹۔ باب ۱۷ آیت ۱۵ ۔ باب ۲۳ آیت ۱-۲
۶؎ ۔ پیدائش باب ۱۶ آیت ۲-۳
۷؎ ۔ دی فیملی ڈیووشنل بائبل مع تشریحی نوٹس از میتھیو ہنری جلد ۱ صفحہ ۹۱ ۔ تاریخ الخمیس ۱۲۸/۱ ۔
۸؎ ۔ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱

ؔ۹ - (۱) تاریخ ابن خلدون موسومہ بہ تاریخ الانبیاء مترجمہ علامہ حکیم احمد حسین الہ آبادی حصہ اول حاشیہ صفحہ ۸۲ پر توریت کے مفسر ربی شلومو اسحاقی کے حوالہ سے حضرت ہاجرہ کے متعلق لکھا ہے "وہ فرعون کی بیٹی تھی جب اس نے سارہ کے ضمن میں کرامات کو دیکھا تو اس نے کہا میری بیٹی کا دوسرے گھر میں ملکہ ہو کر رہنے سے ابراہیم کے گھر میں خادمہ بن کر رہنا بہتر ہے" (۲) ارض القرآن جلد ۱ صفحہ ۵۱ - (۳) انوار الانبیاء صفحہ ۵۲ مطبوعہ لاہور ۱۹۵۵ء -

ؔ۱۰ -

ؔ۱۱ - فرہنگ آصفیہ جلد چہارم صفحہ ۱۹۵

ؔ۱۲ - النساء ۴ : ۱۳۰ - تفسیر در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۳۳

ؔ۱۳ - یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حقیقی چچا مرزا غلام محی الدین صاحب کے لڑکے تھے۔ انہوں نے اپنے بھائی مرزا امام الدین صاحب کے ساتھ ساری زندگی احمدیت کی مخالفت میں گزار دی۔

ؔ۱۴ - التوبۃ ۹ : ۴۰ - غارِ ثور میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے وقت پناہ لی تھی۔ سورۃ توبہ کی اس آیت میں غار سے مراد غارِ ثور ہی ہے۔ غارِ حرا میں آپ بعثت سے قبل عبادت کیا کرتے تھے (زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۲۱)

ؔ۱۵ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کی شہادت کی طرف اشارہ ہے جنہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چند دیگر اصحاب کے ساتھ عضل اور قارہ قبیلے میں تدریس قرآن کے لئے بھجوایا تھا۔ راستہ میں رجیع کے مقام پر کفار نے حملہ کر دیا۔ حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ کو گرفتار کر کے مکہ لے جایا گیا۔ جہاں صفوان بن امیہ نے اپنے باپ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے ان کو خرید لیا۔ یہ مکالمہ آپ کی شہادت سے معًا پہلے کا ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد ۲ صفحہ ۲۳۰)

ؔ۱۶ - یہ واقعہ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ کا ہے جو جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ (موطا کتاب الجہاد باب الشہداء فی سبیل اللہ - زرقانی شرح مواہب لدنیہ جلد ۲ صفحہ ۴۹

ؔ۱۷ - ۱۸۶۲ء - ۱۹۳۰ء - بیعت ۱۸۸۹ء

ؔ۱۸ - حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ (وفات ۱۹۵۷ء) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابی۔ نامور مؤرخ اور مشہور صحافی تھے۔ ۱۸۹۷ء میں انہیں سلسلہ احمدیہ کا پہلا اخبار الحکم جاری کرنے کا خصوصی شرف حاصل ہوا۔

ؔ۱۹ - سیرۃ حلبیہ جزء اوّل صفحہ ۳۸ و صفحہ ۳۹

ؔ۲۰ - صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی - ابراہیم ۱۴ : ۳۸

۲۱ھ ۔ روحانی خزائن (فتح اسلام) جلد ۳ صفحہ ۴۵

۲۲ھ ۔ تاریخ طبری جلد ۵ صفحہ ۴۶۵، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۸۵

۲۳ھ ۔ حضرت انسؓ ۔ حضرت زید بن ارقمؓ اور حضرت ابو برزۃ الاسلمیؓ ۔ مگر عام طور پر حضرت انسؓ کی بجائے حضرت زید بن ارقم کی موجودگی بتائی جاتی ہے ۔ (طبری ۴۵۶/۵) حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کتاب المناقب باب مناقب حسین میں حضرت انسؓ ہی کا نام لکھا ہے ۔ یہ واقعہ پہلے ابن زیاد کے دربار میں پیش آیا اور پھر دوبارہ یزید کے دربار میں جہاں حضرت ابو برزۃ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے یزید کو منع کیا (تاریخ طبری ۴۶۵/۵، تاریخ کامل ابن اثیر ۸۵/۴، بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۵)

۲۴ھ ۔ بحار الانوار جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۶-۲۳۷

۲۵ھ ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (سـ ۶۳ھ/۶۸۲-۸۳ء - سـ ۱۰۱ھ/۷۲۰ء)

۲۶ھ ۔ معاویہ (ثانی) بن یزید (وفات ۶۴ھ/۶۸۴ء)

۲۷ھ ۔ تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۱